بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى خَاتَمِ الأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِين، أَمَّا بَعْدُ:

67: اللہ تعالیٰ کی صفت کلام کے ثبوت میں دوسری حدیث؛ اور اللہ تعالیٰ کی صفت علو اور دیگر صفات کا بیان

العقیدۃ الواسطیۃ لشیخ الاسلام الامام ابوالعباس احمد بن عبد السلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ، شرح فضیلۃ الشیخ العلامہ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ۔ اور ہم رُکے تھے ساتویں حدیث پر، شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے اللہ تعالیٰ کی صفت الکلام کے ثبوت میں ایک دوسری حدیث بھی بیان کی ہے، اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے: ''مَا مِنكُمْ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا سَيُكَلِّمُهُ رَبُّهُ، لَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ تَرْجُمَان'': متفق علیہ۔

پچھلے درس میں ہم بات کر رہے تھے یا پچھلے چند دروس میں اللہ تعالیٰ کی وہ صفات جو صرف اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت سے ثابت ہیں اور یہ تین قسم کے دلائل موجود ہیں سنت میں؛ ایک تو وہ دلائل جو صرف سنت میں موجود ہیں، اور دوسری قسم کے وہ دلائل جو قرآن اور سنت دونوں میں موجود ہیں۔

اور پچھلے درس میں صفت الکلام کے تعلق سے حدیث بیان کی تھی اور شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے یہ دوسری حدیث یہاں پر بیان کی ہے: ''مَا مِنكُمْ مِنْ أَحَدٍ'': ''مَا'' نافیہ ہے۔ شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ): ''مِنْ أَحَدٍ'' مبتدأ ہے، اور ''مِنْ'' جو ہے یہ الزائدۃ ہے (یعنی زائد ہے) لفظ جو ہے تاکید کے لیے۔

آپ قاعدہ جانتے ہیں عربی زبان میں اگر کوئی حرف زیادہ بیان کیا جائے تو وہ تاکید کے لیے ہوتا ہے، اگر اس کا کوئی اور معنی نہ ہو یا کوئی اعراب نہ ہو تو وہ تاکید کے لیے بیان کیا جاتا ہے، اصل جملہ ہے: ''مَا مِنكُمْ مِنْ أَحَدٍ''۔

''إِلَّا سَيُكَلِّمُهُ رَبُّهُ'': یعنی إِلَّا یہ کہ عنقریب اس کا ربّ اس سے ہمکلام ہوگا اس سے کلام کرے گا؛ یہ حالت ہے اس شخص کی کہ اللہ تعالیٰ اس سے کلام کرے گا اور یہ قیامت کے دن ہے جب حساب ہوگا؛ ''لَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ تَرْجُمَان'': دونوں کے

درمیان میں (یعنی بندے کے اور ربّ کے بیچ میں) کوئی ترجمہ کرنے والا نہیں ہو گا؛اور ترجمان کہتے ہیں یہ وہ ایک واسطہ ہوتا ہے جو دو کے بیچ میں ہوتا ہے جب ایک طرف کی زبان جو ہے وہ دوسری طرف والے کے لیے ترجمہ کر کے اسے معنی بیان کر دیتا ہے۔

دو لوگ ہیں عام طور پر جو ہم دیکھتے ہیں ترجمہ کون کرتا ہے ؟ دونوں کی مختلف لینگویج (Language) ہے جیسے اس وقت ہم عربی کتاب پڑھ رہے ہیں؛عقیدۃالواسطیۃ اردو میں نہیں لکھی گئی عربی میں لکھی گئی ہے اور میں ترجمہ اور شرح دونوں کر رہا ہوں اور ترجمہ جو ہے وہ معنی کے اعتبار سے کر رہا ہوں تو ایسی صورت میں یہ کہا جاتا ہے کہ اس کتاب کا ترجمہ ہو رہا ہے۔

شیخ صاحب فرماتے ہیں: ترجمان جو ہے وہ دو لوگوں کے بیچ میں آ کر جب دونوں کی زبان مختلف ہوتی ہے ترجمہ کر کے معنی بیان کر دیتا ہے اُس زبان میں جس میں دوسرا جو ہے وہ جس زبان کو سمجھتا ہے۔

اور اس کی شرطیں بیان کی ہیں چار شیخ صاحب نے (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ نے) کہ ترجمے کی چار شرطیں ہیں؛یعنی اجمالی طور پر دو شرطیں ہیں لیکن تفصیل میں دیکھا جائے تو چار بنتی ہیں:

1-پہلی شرط ہے اُمانت کی کہ امانتدار ہونا چاہیے، بے ایمان شخص ترجمہ نہیں کر سکتا۔

2-اور دوسری ہے علم کی،اور پھر علم تین چیزوں کا ہونا چاہیے۔

اجمالی دو شرطیں ہیں امانت اور علم،اور تفصیل میں علم کی تین شرطیں ہیں:

1- پہلی شرط یہ ہے کہ اسے علم ہونا چاہیے ترجمہ کرنے والے کو جس زبان سے وہ ترجمہ کر رہا ہے؛ عربی سے اگر اردو میں کرنا ہے تو عربی زبان عربی لغت آنی چاہیے جس زبان سے وہ ترجمہ کر رہا ہے۔

2-دوسری شرط کہ اس زبان کا علم ہونا چاہیے جس کے لیے وہ ترجمہ کیا جا رہا ہے، جیسا کہ عربی سے اردو میں ترجمہ کر رہے ہیں تو عربی کا علم بھی ہونا چاہیے اور اُردو کا علم بھی ہونا چاہیے۔

3-اور تیسری شرط: ”وبالموضوع الذي يترجمه“: جس چیز کا ترجمہ کیا جا رہا ہے اس موضوع کا علم بھی ہونا چاہیے کہ موضوع کیا ہے۔

دیکھیں عمومی طور پر دیکھا جائے ترجمہ کوئی بھی کر لے جس کو زبان آتی ہو، آپ اگر ایک اسٹیٹمنٹ ہے ایک جملہ ہے آپ نے ترجمہ کرنا ہے عربی سے آپ کو انگلش آتی ہے انگلش میں کرنا ہے تو آپ کر دیتے ہیں یہ تیسری شرط کس لیے ہے کوئی جانتا ہے کہ آپ کو موضوع کا پتہ ہونا چاہیے؟ کون سا موضوع ہے جس کے لیے آپ نے ترجمہ کرنا ہے یہ کیوں شرط ہے وجہ کیا ہے؟

کانٹیکسٹ (Context) کو جاننا بہت لازمی ہوتا ہے کیونکہ اگر آپ لفظی ترجمہ کر دیتے ہیں تو بہت ساری خرابیاں ہو سکتی ہیں؛ اگر آپ لفظی ترجمہ کر دیتے ہیں بغیر معنی کو اور بغیر سیاق و سباق کو دیکھ کر پھر بہت بڑی غلطی ہو سکتی ہے اس لیے جب آپ کو موضوع کا پتہ ہوتا ہے اور کس کانٹیکسٹ (Context) میں بات ہو رہی ہے سیاق اور سباق کیا ہے اس کے مطابق پھر آپ ترجمہ کرتے ہو وہ ترجمہ صحیح ہوتا ہے۔

اس لیے علماء یہ فرماتے ہیں کہ ترجمے کی چار شرطیں ہیں اگر آپ نے ترجمہ کرنا ہے تفصیلاً: (۱) "الأمانة": امانتدار ہونا چاہیے۔ (۲) دوسرا ہے علم؛ جس زبان سے آپ ترجمہ کر رہے ہیں۔ (۳) تیسرا، جس زبان کے لیے ترجمہ کیا جا رہا ہے۔ (۴) اور چوتھا جو ہے موضوع کا علم ہونا چاہیے کہ کس موضوع پر بات ہو رہی ہے۔

پھر شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ): اس حدیث میں جو ہے اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے صفت الکلام کا ثبوت ہمیں ملتا ہے اور یہ کلام جو ہے "بصوت مسموع مفهوم": آواز سے ہے، وہ آواز جو سنائی دیتی ہے؛ اور تیسرا "مفهوم" جسے سمجھا بھی جا سکتا ہے۔

یہ تفصیل کیوں بیان کی جا رہی ہے؟ دیکھیں حدیث میں تو مختصر سی حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بندوں کا حساب لے گا اور حساب لے گا مطلب کہ اللہ تعالیٰ ہمکلام ہو گا، استثنیٰ ہے (نفی ہے اور استثنیٰ ہے)، یعنی صیغ العموم ہے شروع میں اور پھر اس کا استثنیٰ بھی ہے یعنی کوئی شخص ایسا نہیں ہو گا اِلَّا یہ کہ اللہ تعالیٰ اُس سے ہمکلام ہو گا اور دونوں کے بیچ میں کوئی ترجمہ کرنے والا نہیں ہو گا۔

یعنی آپ کی چائینز زبان ہے جیپنیز ہے دنیا کی کوئی زبان ہے آپ کی اللہ تعالیٰ کو مترجم کی ضرورت نہیں ہے اُسی نے پیدا کیا ہے ہمیں اور ہماری زبانوں کو بھی اُسی نے ہی پیدا کیا ہے وہ خوب جانتا ہے۔

جب حالت یہ ہے انسان کی کہ اُس نے اپنے قول و فعل کا حساب دینا ہے اور حساب اللہ تعالیٰ لے گا اور براہ راست لے گا اور کلام کے ذریعے (کلام ہو گا)۔ یہ کلام جو ہے ایسی آواز سے جو سنائی دے یہ کہاں سے لیا ہے کیونکہ اگر آواز سنائی نہ دے تو پھر کلام کیا ہوا؟! اور ربّ کیسے کلام کرے گا پھر حساب کس چیز کا لے گا؟! ظاہر ہے مخلوق سنے گی نا (انسان، مخلوق) جس کا حساب لیا جا رہا ہے جس سے اللہ تعالیٰ ہمکلام ہے؛ اگر وہ ایسی آواز ہے جو سنائی نہیں دیتی تو پھر کلام کس لیے ہے؟! (دیکھیں سیاق اور سباق کو جاننے کا فائدہ دیکھا ہے آپ نے؟!)؛ کیونکہ جو اہل التعطیل ہیں (جو انکار کرنے والے ہیں) انہوں نے کہا ہے کہ یہ کلام جو ہے حقیقی نہیں ہے اُس کے ردّ میں کیا ہے؟ حقیقی کلام ہے۔

جو مجازی کلام ہے اس کے لیے آواز کا ہونا لازمی ہوتا ہے؟ اسے سمجھا لازمی جاتا ہے؟

اس لیے یہاں پر دو چیزیں ایکسٹرا (Extra) ہیں: (۱) ایک تو کلام ہو گیا ثابت۔ (۲) شیخ صاحب کا یہ فرمان یہاں پر "وأنه بصوت مسموع مفهوم": صوت ہے، مسموع ہے، مفہوم ہے، یہ جملہ کیوں زیادہ ہے یہ کہاں سے لیا ہے؟ فہم سے، سیاق اور سباق سے لیا گیا ہے: "صوت" آواز ہے یعنی حقیقی ہے مجازی نہیں ہے، ردّ ہے اُن کا جو کہتے ہیں کلام تو ہے لیکن مجاز ہے حقیقت نہیں ہے؛ پھر "مسموع" بھی ہے؛ اور پھر "مفہوم" بھی ہے۔

مسموع اور مفہوم کا کیا فائدہ ہے تاکید ہے کہ نہیں؟ کس چیز کی تاکید ہے؟ کہ حقیقی کلام ہے اللہ تعالیٰ کا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے شایان شان ہے۔

جو مسلکی فوائد ہمیں ملتے ہیں دینی فوائد ہمیں ملتے ہیں اللہ تعالیٰ کی صفت کلام کو ثابت کرتے ہوئے:

(۱) پہلی حدیث جو گزر چکی ہے پچھلے درس میں حدیث قدسی میں جو اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "يَقُولُ اللهُ تَعَالَىٰ: يا آدَمُ!" (اے آدم!): تو جب انسان یہ جان لیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کلام فرماتا ہے تو پھر یہ انسان ڈر جاتا ہے اس اعلان سے اور اس فرمان سے کیونکہ اللہ تعالیٰ سیدنا آدم علیہ الصلاۃ والسلام کو حکم دے گا کہ اپنی اولاد میں سے جو جہنمی ہیں اُن کو الگ کر دیں۔ تو کتنے بنے؟ ہزار میں سے نو سو ننانوے (999)۔

تو ڈر نہیں لگتا انسان خبردار نہیں ہو جاتا کہ کہیں میں ایسا عمل نہ کر بیٹھوں جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائے اور میں بھی اُن نو سو ننانوے (999) میں شامل ہو جاؤں؟! انسان خبردار ہو جاتا ہے ڈر جاتا ہے۔

(۲)اور دوسری حدیث میں: انسان ڈر جاتا ہے اور خبر دار ہو جاتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اس کا حساب لینا ہے اور براہ راست لینا ہے تو پھر اسے خدشہ ہو جاتا ہے کہ کہیں وہ بے پردہ نہ ہو جائے اور وہ رسوا نہ ہو جائے سب کے سامنے جب اللہ تعالیٰ اس کے سامنے اس کے گناہ رکھ دے گا، تو پھر بندے کو یہ پتہ چلے گا کہ یہ ہونا ہے اور اللہ تعالیٰ ہمکلام ہو گا سوال بھی ہو گا اس کا جواب بھی دینا پڑے گا تو انسان جو ہے گناہوں سے دوری اختیار کر لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈر جاتا ہے۔

سوال: یہ نو سو ننانوے (999) لوگ یہ یاجوج ماجوج ہیں کیا؟

جواب: اس میں علماء کے مختلف اقوال ہیں بہت لمبے اقوال ہیں: کسی نے کہا صرف کافر ہیں، کسی نے کہا یاجوج ماجوج بھی شامل ہیں، کسی نے کہا اہل المعاصی جو ہیں (گناہگار) وہ بھی شامل ہیں: تو یہ لمبی بحث ہے، لیکن یہ ہمیں پتہ ہونا چاہیے کہ جہنم بھرے گی نہیں "هَلْ مِنْ مَزِيدٍ" کہتی رہے گی اور اس جہنم کا ایندھن انسان بھی ہیں پتھر بھی ہیں، ہمیں خود ڈرنا چاہیے کہ کہیں ہم ان لوگوں میں شامل نہ ہوں۔

باقی یہ علماء کے جو مختلف اقوال ہیں یہ اپنی جگہ پر ہیں لیکن مجھے اپنے پرسنل لیول (Personal level) پر کیا کرنا چاہیے؟ اگر اس میں سے اہل کفر کوئی کہہ دے اور اہل ایمان اس میں شامل نہیں ہیں تو پھر؟!

یعنی ایک قول یہ بھی ہے کہ وہ لوگ ہیں جو ہمیشہ جہنم رسید ہوں گے اور وہ اہل کفر ہیں یاجوج ماجوج وغیرہ جو ہیں؛ لیکن حقیقتاً دیکھا جائے اہل المعاصی بھی جہنم میں جائیں گے کہ نہیں؟ اگر اللہ تعالیٰ کی رحمت کے وہ حقدار نہ ہوں یا شفاعت بھی ان کے کام نہ آئے یا اُن کے گناہوں کا کفارہ کسی بھی ذریعے سے نہ ہو سکے تو جہنم میں تو جائیں گے وہ! تو اس اعتبار سے جہنم میں تو گئے وہ!

علماء کی بحث اپنی جگہ پر ہے لیکن ہمیں اپنے پرسنل لیول (Personal level) پر کیا کرنا چاہیے؟ ڈرنا چاہیے۔ کب؟ جب ہم بھی سوچیں گے کہ کہیں ہم ان نو سو ننانوے (999) میں سے نہ ہوں۔

اگلی حدیث آٹھویں حدیث اللہ تعالیٰ کی صفت علو اور دیگر صفات کا بیان، اور یہ روایت جو ہے ابو داود میں ہے اسے رقیۃ المریض بھی کہتے ہیں کہ مریض کے لیے دَم بھی کیا جاتا ہے، حدیث کے الفاظ ہیں: "رَبُّنَا اللَّهُ الَّذِي فِي السَّمَاءِ! تَقَدَّسَ اسْمُكَ، أَمْرُكَ فِي السَّمَاءِ والأَرْضِ كما رَحْمَتُكَ فِي السَّمَاءِ اجْعَلْ رَحْمَتَكَ فِي الأَرْضِ، اغْفِرْ لَنا حُوبَنَا وَخَطَايَانَا، أَنتَ رَبُّ الطَّيِّبِينَ، أَنْزِلْ رَحْمَةً مِنْ رَحْمَتِكَ وَشِفاءً مِنْ شفائِكَ عَلَى هَذَا الوَجِعِ، فَيَبْرَأُ": حديث حسن، رواه أبو داؤد وغيره۔

یہ حدیث جو ہے اس کی صحت میں اختلاف ہے، شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ حدیث حسن ہے اور علامہ البانی اس حدیث کو ضعیف کہتے ہیں، اور تحقیق کے بعد بات درست ہے کہ ضعیف ہے حدیث لیکن معنی حدیث کا دیکھا جائے تو معنی صحیح ہے اس اعتبار سے کہ اس میں جو الفاظ ہیں وہ سب قرآن اور سنت سے ثابت ہیں، اس میں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا وسیلہ لے کر دعا کی جارہی ہے اور مریض کی شفاء کے لیے اور درد اور تکلیف کے علاج کے لیے یہ الفاظ بیان کیے گئے ہیں، اور مختصر سی شرح میں بتادیتا ہوں جو شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ نے بیان کی ہے۔

''رَبُّنَا اللَّهُ الَّذِي فِي السَّمَاءِ''(اللہ ہمارا ربّ جو آسمان میں ہے)، اور اس پر پہلے بات ہو چکی ہے شیخ صاحب فرماتے ہیں۔

فِي السَّمَاءِ: سے مراد ہے "على السماء"(آسمان سے اوپر)، کیونکہ فِي ظرفیہ کے لیے ہوتا ہے اور کوئی بھی مخلوق آسمان ہو یا عرش ہو وہ اللہ تعالیٰ کو محیط نہیں ہو سکتے؛ یعنی اللہ تعالیٰ آسمان میں نہیں ہے۔

جیسا کہ اس کپ کے اندر چائے ہے، ہم کہتے ہیں کہ اس کپ کے اندر "اس کپ میں "چائے ہے؛ "الشاي في الكأس" یا "الكوب": تو فِي ظرفیہ کے لیے ہوتی ہے، عربی زبان میں جو حروف الجَر ہیں یہ ایک دوسرے کی جگہ لے لیتے ہیں۔ اور یہاں پر جب بھی آپ دیکھیں "فِي السَّمَاءِ" کا لفظ قرآن اور سنت میں تو اس کا معنی ہے "على السماء"۔

''تَقَدَّسَ اسْمُكَ''(اے اللہ تعالیٰ تیرا نام پاک ہے): اور اسم مفرد مضاف ہے؛ اسم مفرد ہے اور کاف جو ضمیر ہے مضاف إلیہ ہے اور مفرد مضاف صیغ العموم میں سے ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کا ہر نام پاک ہے۔

ربوبیت کا وسیلہ بنایا گیا، اللہ تعالیٰ کے اسماء کو وسیلہ بنایا گیا کہ اللہ تعالیٰ تیرے تمام نام پاک ہیں۔

''أَمْرُكَ فِي السَّمَاءِ والأَرْضِ'' (یعنی اللہ تعالیٰ کا حکم نافذ ہوتا ہے آسمان میں اور زمین میں): جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: ﴿يُدَبِّرُ الْأَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ إِلَى الْأَرْضِ﴾ إلى آخر الآية(السجدة:5)؛ اور سورۃ الاعراف میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ﴾(اللہ تعالیٰ کے لیے خلق ہے اور اُمر بھی ہے)(الاعراف:54)۔

اور علماء اس لیے یہ آیت بیان کرتے ہیں کیونکہ بعض اہل التعطیل جو ہیں نا وہ کہتے ہیں کہ قرآن مخلوق ہے قرآن اللہ تعالیٰ کا اُمر ہے: تو یہ واضح دلیل ہے کہ خلق کو اللہ تعالیٰ نے اُمر سے الگ کر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا جو حکم ہے اللہ تعالیٰ کا جو

پاک کلام ہے چاہے قرآن مجید ہو یا چاہے اللہ تعالیٰ کا جو اپنا کلام جو صفت الکلام ہے اللہ تعالیٰ کی تو وہ مخلوق نہیں ہے کیونکہ اس آیت میں (سورۃ الاعراف کی آیت میں) ﴿اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ﴾: خلق الگ ہے اور اُمر الگ چیز ہے۔

"كما رَحْمَتُكَ في السَّماءِ اجْعَلْ رَحْمَتَكَ في الأَرْضِ" (اے اللہ تعالیٰ! جیسا کہ تیری رحمت آسمان میں ہے اے اللہ تعالیٰ! تو اپنی رحمت زمین پر بھی عطا فرما): اور یہاں کاف جو ہے "كما: للتعليل" ہے مثلیت کے لیے نہیں ہے۔

حرف الجَر کاف جو ہے یاد رکھیں یہ مثل کے لیے بیان بھی ہوتا ہے اور تعلیل کے لیے وجہ سبب کے لیے بیان بھی ہوتا ہے کوئی واضح مثال جانتا ہے اس کی واضح مثال؟ حرف الکاف تعلیل کے لیے ہوتا ہے، اگر تشبیہ کے لیے ہو (تشبیہ کے لیے بھی ہے) عام طور پر تشبیہ کے لیے ہے: "الرجل كالأسد" یہ شخص جو ہے یہ شیر جیسا ہے یعنی شیر کی مثل ہے، تو مثل کا لفظ تو نہیں ہے مثل الأسد تو نہیں ہے "كالأسد" تو حرف الکاف کس لیے ہے؟ تمثیل کے لیے، مثلیت بیان کرنے کے لیے، تشبیہ کے لیے بھی کہا جاتا ہے۔ اصل حرف الکاف تشبیہ کے لیے ہے لیکن اس کے علاوہ اور معنی بھی ہیں اُس معنی میں سے ایک معنی یہ بھی ہے تعلیل کا۔

"اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيد ، اللَّهُمَّ بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آل مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيد" یہ کیا ہے؟ درود ابراہیمی ہے۔

"كَمَا صَلَّيْتَ" اور "كَمَا بَارَكْتَ" یہ کون سی کاف ہے؟ اگر آپ تشبیہ کے لیے کہتے ہیں تو پھر افضل کون ہیں محمد ہیں یا ابراہیم (علیہم الصلاۃ والسلام) ہیں؟ کون افضل ہیں؟ اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم افضل ہیں یہ قاعدہ ہے نا کہ افضل الخلق "أنا سَيِّدُ ولَدِ آدَمَ" علیہ الصلاۃ والسلام فرماتے ہیں؛ اور "سيّد الأنبياء والمرسلين عليه الصلاة والسلام" (تمام انبیاء اور رسولوں کے سردار علیہ الصلاۃ والسلام ہیں): اگر تشبیہ کے لیے ہوتا تو پھر کون بہتر ہے؟ سیدنا ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نا۔ تو پھر کاف کس لیے ہے؟ تعلیل کے لیے؛ یعنی اللہ تعالیٰ جس وجہ سے تو نے سیدنا ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کو یہ درجہ عطا فرمایا ہے اسی وجہ سے اسی تعلیل سے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی یہ درجہ عطا فرما۔

پھر شیخ صاحب فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ رحمت وہ آسمان میں بھی زمین بھی ہے تو خصوصی طور پر زمین کے لیے کیوں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اس حدیث قدسی میں؟ یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حدیث میں کیوں اللہ تعالیٰ سے دعا کی

کہ اللہ تعالیٰ جیسا کہ تیری رحمت آسمانوں میں ہے زمین پر بھی یہ رحمت عطا فرما؟ (رحمت تو اللہ تعالیٰ کی ہر جگہ ہے، نہیں! تو خصوصی تخصیص کیوں کی ہے زمین پر؟) کیونکہ اس وقت یہ دعا مریض کے علاج کے لیے شفاء کے لیے کی جا رہی ہے۔اور مریض کہاں پر ہے آسمان میں یا زمین میں ہے؟ زمین میں ہے نا؛ تو اس لیے خصوصی طور پر اللہ تعالیٰ خاص رحمت عطا فرما اس بندے کے لیے تاکہ اسے شفاء حاصل ہو جائے۔

پھر: ''اغْفِرْ لَنا حُوبَنا وَخَطَايَانَا''(کہ اللہ تعالیٰ ہمارے گناہوں پر پردہ ڈالے گناہوں کو معاف کر دے): حُوب کہتے ہیں بڑے گناہوں کو، اور خطایا چھوٹے؛ یعنی اے اللہ تعالیٰ! میرے چھوٹے بڑے تمام گناہ معاف فرما۔

اور "حُوب اور خطایا" جب الگ الگ بیان کیے جائیں تو معنی ایک ہے کہ گناہوں کو کہا جاتا ہے، جب ایک ساتھ بیان کیے جائیں تو معنی مختلف ہے: ''حُوبَنا''(ہمارے بڑے گناہ)، اور ''خَطَايَانَا''(ہمارے چھوٹے گناہ)۔

"حُوب اور خطاء": حُوب بڑے گناہ کو کہتے ہیں، اور خطاء جو ہے چھوٹے گناہ کو کہتے ہیں؛ جب ایک ساتھ دونوں لفظ بیان کیے جائیں جیسے فقیر اور مسکین: ﴿إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ﴾ سورۃ التوبہ (آیت 60) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے؛ تو اس میں فقیر اور مسکین الگ الگ ہیں۔

فقیر وہ ہے جس کے پاس کچھ نہیں ہے، مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ ہے تو سہی لیکن اس کی ضروریات زندگی اُس سے پوری نہیں ہوتیں؛ یعنی فقیر وہ ہے جس کے پاس کوئی آمدنی نہیں ہے کچھ بھی نہیں ہے، اور مسکین وہ ہے کہ آمدنی تو اس کی ہے لیکن مثال کے طور پر اگر اس کی ضرورت ہے تین ہزار اُس کی آمدنی جو ہے وہ ایک ہزار یا پندرہ سو کی ہے۔ تو وہ کہاں سے پوری کرے گا؟! تو یہ مسکین ہے اس کو زکوۃ دی جا سکتی ہے۔

اسی طریقے سے "الاسلام اور الایمان" جب اِن میں سے ایک کا لفظ الگ سے بیان کیا جائے تو ایمان اور اسلام کا معنی ایک ہی ہوتا ہے لیکن جب ایک ساتھ ہوں جیسے سیدنا جبریل علیہ الصلاۃ والسلام کی حدیث صحیح مسلم کی حدیث میں اسلام، ایمان اور احسان کا ذکر ہوا: تو اسلام علماء کہتے ہیں جو ظاہری اُمور ہیں ارکان اسلام ہیں جن میں کلمہ شہادت بھی شامل ہے، اور ایمان سے مراد جو باطنی اور علمی مسائل ہیں جیسا کہ ارکان ایمان۔

اسی طریقے سے ''حُوبَنَا وَخَطَايَانَا'': حُوب اور خطاء بھی اسی طریقے سے ہے کہ جب دونوں ایک ساتھ بیان کیے جائیں الگ معنی ہوتا ہے "حُوب" (بڑے گناہ) اور "خطاء" (چھوٹے گناہ)؛ جب الگ الگ بیان کیے جائیں کہ اے اللہ تعالیٰ ''اغْفِرْ لَنا حُوبَنَا''؛ صرف اگر یہ لفظ ہوتا تو اس میں بڑے چھوٹے گناہ دونوں شامل ہو جاتے ہیں، یا خطاء کی بات ہو رہی ہے کہ اے اللہ تعالیٰ! ہماری خطائیں بخش دے؛ تو بڑے چھوٹے گناہ دونوں شامل ہو جاتے ہیں۔

اور آپ یہ دیکھیں کہ اب مغفرت کی چھوٹے بڑے گناہوں سے کیا مناسبت ہے آپ تو رُقیہ کر رہے ہیں مریض پر؟ رُقیہ کرنے والا اور جس کا رُقیہ کیا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ دونوں کے گناہوں کو معاف کر دے کیونکہ گناہ ہمیشہ ایک آڑ ہوتی ہے دیوار ہوتی ہے؛ دیکھیں اللہ تعالیٰ کی آزمائش ہے کہ بعض ایسے انسان کے گناہ ہیں جو بیماری سے آہستہ آہستہ جھڑ جاتے ہیں (سبحان اللہ)۔

ہم کیوں کہتے ہیں لَا بَأْسَ طَهُورٌ إِنْ شَاءَ اللَّهُ؟ کسی بیماری کی جب ہم عیادت کرتے ہیں تو سنت کیا ہے کیا کہیں؟ ''لَا بَأْسَ طَهُورٌ إِنْ شَاءَ اللَّهُ''۔ طَهُور کیا ہے؟ پاک ہونا، پاکیزگی۔ کس چیز سے ہے تو وہ بیمار؟ اس کو تیمم کی ضرورت ہے؟ اس کو وضو غسل کس چیز کی ضرورت ہے اسے؟ اسے معنوی گناہوں سے طہارت کی ضرورت ہے۔ گناہوں سے طہارت کیسے ملے گی؟ ہم دعا کر رہے ہیں۔ اور اس کی اپنی جو درد اور تکلیف ہے وہ بھی اس کے لیے کفارہ کب ہو گا؟ جب اپنا اُجر اللہ تعالیٰ سے امید رکھے گا کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس تکلیف سے اُجر عطا فرمائے گا؛ اگر درد کو درد ہی سمجھتا رہے گا اور کوستا رہے گا تو پھر تو درد بھی ہے تکلیف بھی ہے اور اس کو کوئی اُجر بھی ملنے والا نہیں ہے۔

اس لیے جب بھی درد ہو تکلیف ہو تو کوسنا نہیں ہے، بُرا بھلا نہیں کہنا، نہ تقدیر کو گالی دینی ہے (نعوذ باللہ)۔ کیا کرنا ہے؟ صبر کرنا ہے، اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی ہے (شفاء کی دعا کرنی ہے) اور اس یقین کے ساتھ دعا کرنی ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے گناہوں کو اس بیماری اس تکلیف کی وجہ سے بخش دے گا۔

''أَنْتَ رَبُّ الطَّيِّبِينَ'': پھر ربوبیت کو وسیلہ بنایا جا رہا ہے اور یہ خاص ربوبیت ہے۔

ایک عام ربوبیت ہے کہ آسمانوں کا ربّ، زمینوں کا ربّ (یہ پورا)؛ اور اب یہ خاص کیونکہ رُقیہ کرنے والا اور جس کا رُقیہ کیا جا رہا ہے اہل ایمان میں سے ہیں مسلمان ہیں: ''أَنْتَ رَبُّ الطَّيِّبِينَ'' (کہ اللہ تعالیٰ تُو اچھے لوگوں کا ربّ ہے)؛ اور یہ خاص ربوبیت کو وسیلہ بنایا جا رہا ہے۔

ربوبیت خاص اور عام کے اور بھی ثبوت ہیں قرآن مجید میں جیسا کہ سورۃ الاعراف آیت نمبر 121 اور 122 تک اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۝﴾(الاعراف:121-122)۔

جادو گروں نے جب توبہ کی سیدنا موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے قصے میں تو کیا کہا توبہ کرتے وقت؟ ﴿قَالُوْٓا﴾(ان جادو گروں نے کہا) ﴿اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (ہم ایمان لائے ربّ العالمین پر)۔ کون ہے ربّ العالمین؟ ﴿رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ﴾: ربّ العالمین عام ہے اور ﴿رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ﴾ خاص ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے سورۃ النمل آیت نمبر 91 میں: ﴿اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِيْ حَرَّمَهَا وَلَهٗ كُلُّ شَيْءٍ﴾(مجھے حکم دیا گیا کہ میں عبادت کروں) ﴿رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ﴾(رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ (قریش:3)؛ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ: اس شہر کے ربّ کی عبادت کروں میں) ﴿الَّذِيْ حَرَّمَهَا وَلَهٗ كُلُّ شَيْءٍ﴾(اللہ نے حرمت جس کی بیان کی ہے اور تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں)(النمل:91)۔

﴿رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ﴾ خاص ہے؛ ﴿وَلَهٗ كُلُّ شَيْءٍ﴾ عام ہے۔

اور جو ''الطَّيِّبِينَ'' ہیں الطیبون مومن ہیں ہر مومن طیب ہے، اور یہ اللہ تعالیٰ کی خاص ربوبیت کو وسیلہ بنایا جارہا ہے۔

''أَنْزِلْ رَحْمَةً مِنْ رَحْمَتِكَ وَشِفاءً مِنْ شفائِكَ عَلَى هَذَا الوَجِعِ'': کہ اللہ تعالیٰ اپنی خاص رحمتوں میں سے خاص رحمت اور خاص شفاؤں میں سے خاص شفاء نازل فرما اس تکلیف پر۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت جو ہے (شیخ صاحب فرماتے ہیں) دو قسم کی ہے: ایک وہ رحمت جو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے جو اللہ تعالیٰ سے الگ نہیں ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کئی آیات میں قرآن مجید میں: ﴿وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ﴾ (الکھف:58)(یا ﴿الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾(الفاتحہ:2)، یا ﴿الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ﴾(یونس:107)؛ یہ ساری جو ہے اللہ تعالیٰ کی صفت ہے)؛ ﴿وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ﴾ سورہ الکھف آیت نمبر 58 میں یہ رحمت مراد نہیں کہ وہ نازل ہو بلکہ

رحمت کی جو دوسری قسم جو مخلوق رحمت ہے جو اللہ تعالیٰ کی رحمت کے آثار میں سے ایک اثر ہے اسے بھی رحمت کہا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت مخلوق بھی ہو سکتی ہے؟ ایک واضح دلیل ہے اللہ کی رحمت ایک اللہ کے لیے خاص ہے اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے اللہ سے الگ نہیں ہے ایک اور رحمت جو اللہ تعالیٰ سے الگ بھی ہے اور مخلوق ہے وہ کیا ہے معروف؟ نبی رحمت بھی کہتے ہیں(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) لیکن ایک معروف حدیث ہے"أَنْتِ رَحْمَتِي، أَرْحَمُ بِكِ مَن أشاءُ" متفق علیہ حدیث کس کے بارے میں ہے؟ جنت کیا ہے جنت اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ نہیں؟ "أَنْتِ رَحْمَتِي"(تُو میری رحمت ہے)"أَرْحَمُ بِكِ مَن أشاءُ"(میں جسے چاہوں تجھ سے نوازدوں)۔

تو کون سی رحمت ہے یہ اللہ کی صفت ہے یا وہ رحمت جو اللہ نے پیدا کی ہے کہ مخلوق رحمت ہے؟ مخلوق ہے(جنت مخلوق ہے)۔اور شفاء بھی اللہ تعالیٰ کے افعال میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے بھی ہے لیکن جب مریض تک پہنچ جاتی ہے اللہ تعالیٰ کی شفاء تو پھر مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہے اور شفاء کا معنی ہے بیماری کا تکلیف کا دور ہو جانا۔

"فَيَبْرَأُ": یعنی تکلیف دور ہو جاتی ہے۔

اگلی حدیث(نویں حدیث)"في إثبات العلو أيضًا" اللہ تعالیٰ کی صفت علو کے ثبوت میں اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:"ألَا تَأْمَنُونِي وأنا أَمِينُ مَنْ فِي السَّماءِ" إلي آخر الحديث(لمبی حدیث متفق علیہ حدیث ہے)۔

"ألَا تَأْمَنُونِي": شیخ صاحب فرماتے ہیں یہاں پر ایک لغوی اشکال ہے:"حذف نون الفعل بدون ناصب ولا جازم!!": آپ یہ جانتے ہیں جو افعال خمسہ ہیں افعال خمسہ کون سے ہیں؟افعال خمسہ کیوں کہا جاتا ہے؟افعال خمسہ وہ فعل مضارع ہے جس کے آخر میں نون ہو۔

نون کیوں ہوتا ہے؟ پانچ ضمیر کے اعتبار سے:"يَفْعَلَان ، تَفْعَلَان ، يَفْعَلُون، تَفْعَلُون ، تَفْعَلِين"۔

عام طور پر دیکھا جاتا ہے جو فعل مضارع ہے اس کے جو آخر میں نون ہے یہ افعال خمسہ میں سے مرفوع ہو تو نون اس کی نشانی ہے رفع کی(ثبوت ہے کہ نون موجود ہے)؛"الطلاب يَقْرَؤُونَ الدرس"(طلاب جو ہیں وہ پڑھ رہے ہیں(لیسن (Lesson) پڑھ رہے ہیں))۔

جب اس میں ناصب یا جازم شیخ صاحب فرماتے ہیں "حذف نون الفعل بدون ناصب ولا جازم!!": اصل لفظ ہے "تأمَنُونَنِي": تأمَنُونَنِي یہ ہونا چاہیے تو ایک نون تو غائب ہے، اور غائب ہے اس کا نہ ناصب ہے نہ جازم ہے۔

عام طور پر جو فعل مضارع افعال خمسہ میں سے اگر ہو تو نون (ثبوت النون) رفع کے لیے ہے جیسے میں نے مثال دی ہے، اگر ناصب آجائے (حرف النصب آجائے) تو پھر نون کو نکال دیا جاتا ہے حذف کر دیا جاتا ہے۔

"الطلاب لَنْ يقرؤا الدرس": "لَنْ يقرؤا ": نون کدھر گیا ابھی تو يقْرَؤُونَ تھا؟ یا "لَم يقرؤا الدرس" (لَم جازمہ ہے، لَنْ ناصبہ ہے)۔ تو نون کہاں گئی؟ ہم کہتے ہیں: "فعل مضارع منصوب، وعلامة نصبه حذف النون، لأنه من الأفعال الخمسة": "لَم يقرؤا ، فعل مضارع مجزوم لأنه من الأفعال الخمسة وعلامة جزمه حذف النون" کیونکہ کے افعال خمسہ میں سے ہے۔

یہاں پر دیکھیں: "ألا تأمَنُونَنِي" ہونا چاہیے تھا لیکن "ألا تأمَنوني": نون ایک غائب ہے نہ ناصب ہے نہ جازم ہے کیوں؟ اس کا ایک اور قاعدہ ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ جب نون الوقایہ ساتھ مل جائے تو پھر جو نون ہے فعل مضارع کی افعال خمسہ میں سے وہ حذف کر دی جاتی ہے۔

نون الوقایہ کہاں پر ہے؟ آخر والی یاء جو ہے اس کے ساتھ نون لگتا ہے یاء فعل مضارع کے ساتھ نہیں آسکتا سیدھا تو نون کو آنا چاہیے اسے نون الوقایہ کہتے ہیں؛ جو اصل نون تھی فعل مضارع کی "تأمَنُونَنِي" وہ اس حرف الوقایہ کی وجہ سے ایک نون ساقط ہو جاتی ہے حذف کر دی جاتی ہے۔

اچھا اگر کوئی کہے "ألا تأمَنُونَنِي" تب بھی ٹھیک ہے نا اگر نون کو واپس کر دیا جائے "ألا تأمَنُونَنِي وأنا أمين من في السماء"؟ اصل لفظ کیا ہے؟ "ألا تأمَنوني"۔ "ألا تأمَنُونَنِي" جائز ہے کہ نہیں؟ نہیں۔ لغت کے اعتبار سے جائز ہے لیکن کیونکہ حدیث ہے یہاں پر نون بھی زیادہ نہیں کرو کیونکہ حدیث ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے اسے ایسے ہی پڑھنا ہے؛ لیکن لغت کے اعتبار سے جائز ہے کہا جا سکتا ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ نون کو حذف کر دیا جائے۔

اور "تأمَنوني" سے مراد کیا آپ مجھے امانتدار نہیں سمجھتے؟ "وأنا أمينُ مَنْ في السَّماءِ" جبکہ میں آسمان والے کا امانتدار ہوں (یعنی اللہ تعالی کی طرف سے امانتدار ہوں)۔

اور اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو ہیں اللہ تعالیٰ نے امانت دی ہے جو وحی ہے یہ امانت ہے اور تمام انبیاء اور مرسلین (علیہم الصلاۃ والسلام) اور جو بھی امانتدار ہیں اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام اُمناء کے سردار ہیں (تمام امانتداروں کے سردار ہیں)؛ اور اللہ تعالیٰ کا جو خاص فرشتہ ہے سیدنا جبریل اُمین علیہ الصلاۃ والسلام جو وحی کے لیے اللہ تعالیٰ نے خاص مقرر فرمایا ہے کیوں کہا جاتا ہے جبریل اُمین؟ اُمین کہا جاتا ہے نا امانتدار، اسی لیے، اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ۝١٩ ذِي قُوَّةٍ عِندَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ ۝٢٠ مُّطَاعٍ ثَمَّ أَمِينٍ ۝٢١﴾ (التکویر:19-21): اور یہ تمام جو الفاظ ہیں وہ سیدنا جبریل علیہ الصلاۃ والسلام کے لیے ہیں سورۃ التکویر میں۔

اور اس حدیث کا ایک سبب ہے شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں): کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ یمن سے ایک مال غنیمت میں سے کوئی مال لے کر آئے اور اسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تقسیم کر دیا تقریباً چار لوگوں میں تو ایک شخص نے اِن میں سے کہا "کہ ہم زیادہ حق رکھتے ہیں"۔ تو اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: "أَلَا تَأْمَنُونِي وَأَنَا أَمِينُ مَنْ فِي السَّمَاءِ" إلى آخر الحديث: یعنی مجھے امانتدار سمجھو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے امانتدار بنایا ہے۔

یعنی اعتراض کس بات پر ہے؟! کسی کو حق ہے کوئی اعتراض کرے؟! کسی کو حق نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی نازل ہوتی ہے "اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام"۔

اور شیخ صاحب فرماتے ہیں: یہاں پر ہمزۃ جو ہے "أَلَا" میں یہ استفہام انکار کے لیے بھی کیا جا سکتا ہے، اور "لا" نافیہ ہے، یعنی ایسا مت کرو۔

اور شاہد جو ہے: "أَمِينُ مَنْ فِي السَّمَاءِ": صفت علو کی ہم بات کر رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں پر ہے اور اس میں بھی وہی بات ہے شیخ صاحب فرماتے ہیں جو ہم پہلے کر چکے ہیں۔

حدیث نمبر دَس (10)، یہ حدیث بھی اللہ تعالیٰ کی صفت علو کے ثبوت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ بلندیوں پر ہے، اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: "وَالعَرْشُ فَوْقَ الماءِ، وَاللهُ فَوْقَ العَرْشِ، وَهُوَ يَعْلَمُ ما أَنْتُمْ عَلَيْهِ": اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور علامہ البانی نے صحیح فرمایا ہے صحیح حدیث ہے۔

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب اللہ تعالیٰ نے جو مسافت اور فاصلہ آسمانوں کے بیچ میں بیان فرمایا ہے جب اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام نے جو آسمانوں کے بیچ میں فاصلہ ہے وہ بیان کیا ہے تو یہ فرمایا ہے: "وَالعَرْشُ فَوْقَ الماءِ": جب عرش کی بات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی ہے تو فرمایا ہے کہ پانی ہے: پہلے تو سات آسمان ہیں، پھر سات آسمانوں کے اوپر پانی ہے، پھر پانی کے اوپر عرش ہے "وَالعَرْشُ فَوْقَ الماءِ"۔

اور اس کی دلیل میں قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے سورۃ ھود آیت نمبر 7 میں: ﴿وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ﴾ (اور اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر تھا)(ھود:7)۔

"وَاللهُ فَوْقَ العَرْشِ"(اور اللہ تعالیٰ عرش سے اوپر ہے)"وَهُوَ يَعْلَمُ ما أَنْتُمْ عَلَيْهِ"(اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جس چیز پر تم ہو (یعنی جو کچھ بھی مخلوق کرتی ہے اللہ تعالیٰ اس سے خوب باخبر ہے اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے))۔

اللہ تعالیٰ عرش پر ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے شایان شان ہے اور اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے، ہمارے احوال اور اعمال میں سے، اقوال میں سے، تمام چیزوں میں سے کوئی چیز اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے سورۃ ق آیت نمبر 16 میں: ﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ﴾(اور یقیناً ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور ہم خوب جانتے ہیں انسان کے نفس میں جو وسوسہ ہوتا ہے)(ق:16)۔

سبحان اللہ؛ ایک تو قول و فعل ہے اللہ تعالیٰ وہ بھی خوب جانتا ہے اِس سے بڑھ کر انسان جو چھپاتا ہے وہ بھی جانتا ہے: ﴿يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفَى﴾ (طه:7)؛ اللہ تعالیٰ یہ بھی خوب جانتا ہے جو نفس میں وسوسہ ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اِس سے بڑھ کر آنکھوں کی خیانت کو بھی جانتا ہے: ﴿يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ﴾(غافر:19)۔

عرش سے اوپر اور اتنی باریک بینی دیکھیں علم کی (سبحان اللہ) اور یہ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہے مخلوقات میں سے کوئی بھی ایسی مخلوق نہیں ہے جس کو یہ علم ہے۔

اور بعض ظالموں نے یعنی بعض اولیاء کو اور انبیاء کو یہ درجہ دے دیا ہے کہ وہ بھی خوب جانتے ہیں! یعنی فلاں کو پکاریں، فلاں قبر والے کو پکاریں؛ ایک عراق سے پکار رہا ہے، دوسرا پاکستان سے، تیسرا مصر سے، چوتھا کسی اور جگہ سے: اور ایک ہی بزرگ کو یا پیر کو پکار رہے ہیں کہ وہ سب کی سنتا ہے، وہ سب کی سمجھتا ہے، وہ سب کو دیتا بھی ہے (نعوذ باللہ)!

بعض لوگ یہ بھی کہہ رہے تھے کہ زبان سے مت مانگیں آپ صرف تصور کریں اپنے دل سے مانگ کر دیکھ لیں وہ فلانا پیر جو ہے وہ دل کے راز بھی جانتا ہے (نعوذ باللہ)! تو اللہ تعالیٰ کے لیے کیا چھوڑا ہے؟! "إنا لله وإنا إليه راجعون"۔

یعنی اللہ تعالیٰ کا علم جو ہے علم أزلی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نفس کے اندر جو ضمیر میں چیز گھومتی ہے اللہ تعالیٰ وہ بھی خوب جانتا ہے؛ انسان بیان نہیں کرتا کہ اس کے ضمیر میں کیا ہے، اس کے اندر کیا ہے اس کے نفس میں کیا ہے، ہم بے خبر ہیں ہمیں نہیں پتہ؛ آپ کے گھر میں آپ کے والدین، آپ کی بیوی آپ کے بچے، آپ کے سب سے قریبی رشتے دار جب تک زبان تک بات نہیں آتی آپ دل کے راز نہیں جان سکتے کبھی (سبحان اللہ)۔

یہی بزرگ جس کے بارے میں کہا جا رہا ہے جب زندہ تھا کیا جانتا تھا کہ اس کے دل میں کیا ہے فلاں کے دل میں کیا ہے؟ (سبحان اللہ)؛ تو مرنے کے بعد وہ تمام علم اس کو ہو گیا ہے! "إنا لله وإنا إليه راجعون"۔

"وَهُوَ يَعْلَمُ ما أَنْتُمْ عَلَيْهِ": یعنی اللہ تعالیٰ کا علم محیط ہے۔

اور جو مسلکی فائدہ ہمیں ملتا ہے اس حدیث سے:

1- جب ہم اس حدیث پر ایمان رکھتے ہیں تو ہمیں یہ فائدہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہم کرتے ہیں۔

2- اور یہ یقین رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ علو میں ہے بلندیوں میں ہے عرش سے اوپر ہے۔

3- اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو ہم کرتے ہیں اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔

تو پھر ہمیں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کا حق ادا کرنا چاہیے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ جہاں پر اللہ تعالیٰ ہمیں دیکھنا چاہے جہاں پر اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے وہاں پر اللہ تعالیٰ ہمیں دیکھے، اور جہاں پر اللہ تعالیٰ نے ہمیں منع کیا ہے وہاں اس جگہ پر اللہ تعالیٰ ہمیں نہ دیکھے۔

جو بھی مأمورات ہیں (جو بھی احکام ہیں اللہ تعالیٰ کے) چاہے فرض ہوں یا نوافل ہوں تو ہمیں آگے آگے ہونا چاہیے، اور جو بھی محرمات ہیں یا مکروہات ہیں تو وہاں تک ہمیں جانا نہیں چاہیے بلکہ دور رہنا چاہیے۔

دسویں حدیث بھی صفت العلو کے تعلق سے کہ اللہ تعالیٰ بلندیوں پر ہے معروف حدیث ہے صحیح مسلم کی حدیث میں جو قصہ ہے جاریہ کا (کمسن لڑکی کا) اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب اس جاریہ سے (اس کمسن لڑکی سے) سوال کیا: ''أَيْنَ اللهُ؟'' (اللہ تعالیٰ کہاں ہے؟) ''قَالَتْ: فِي السَّمَاءِ'' (اس لڑکی نے جواب میں کہا: اللہ تعالیٰ آسمان میں ہے (یعنی آسمان پر ہے)) ''قَالَ: مَنْ أَنَا؟'' (اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں کون ہوں؟) ''قَالَتْ: أَنْتَ رَسُولُ اللهِ'' (آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)) ''قَالَ: أَعْتِقْهَا فَإِنَّهَا مُؤْمِنَةٌ'' (اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس صحابی کو حکم دیا: أَعْتِقْهَا فَإِنَّهَا مُؤْمِنَةٌ: اس جاریہ کے جو آقا تھے صحابی جو مالک تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کو حکم دیا کہ اسے آزاد کردو بے شک یہ مومنہ ہے)۔

''أَيْنَ اللهُ؟'': ''أين'': کا جو لفظ ہے یہ جگہ کے لیے استعمال کیا جاتا ہے کہ جب جگہ کے تعلق سے آپ نے دریافت کرنا ہو سوال کرنا ہو تو پھر "أين" سے سوال کیا جاتا ہے؛ ''أَيْنَ اللهُ؟''۔

''قَالَتْ: فِي السَّمَاءِ'': ''يعني: على السماء'': اور العلو کے تعلق سے پہلے بھی ہم بات کر چکے ہیں اور فی السماء کی تفصیل پہلے بھی گزر چکی ہے۔

''مَنْ أَنَا؟ قَالَتْ: أَنْتَ رَسُولُ اللهِ، قَالَ: أَعْتِقْهَا فَإِنَّهَا مُؤْمِنَةٌ'': اہل التعطیل نے کہا ''فِي السَّمَاءِ'' سے مراد یہ ہے کہ اگر آپ یہ سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ علو میں ہے تو وہ کافر ہے!! (نعوذ باللہ)۔

اہل التعطیل جو ہیں صفت علو کا کیوں انکار کرتے ہیں پتہ ہے؟ اس کی ایک وجہ ہے پہلے بھی بیان کر چکے ہیں کہ جو اللہ تعالیٰ کی صفت علو کے منکر ہیں جو کہتے ہیں اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے (ظاہر ہے جب اللہ تعالیٰ بلندیوں پر نہیں ہے تو کہاں ہے؟! کہیں تو ہے! کہاں پر ہے؟ پھر کہتے ہیں ہر جگہ ہے) یہ کیوں کہا اُن لوگوں نے؟

صفت علو کا انکار کیوں کیا اور ہر جگہ کیوں کہا یہ بہت بڑا شبہ ہے! وہ کہتے ہیں: "اگر ہم یہ مان لیں کہ اللہ تعالیٰ آسمان میں ہے یا آسمان پر ہے تو اس کا مطلب ہے (نعوذ باللہ) یہ کفریہ عقیدہ ہے کیونکہ اس سے سمت لازم آتی ہے اور اللہ تعالیٰ ہر سمت سے پاک ہے، اور اگر کوئی شخص یہ مان لے کہ اللہ تعالیٰ علو میں ہے ایک ہی جگہ پر ہے اور ایک ہی سمت ہے اس کے لیے تو یہ کفریہ عقیدہ ہے ایسا شخص کافر ہے"۔

کیونکہ اُن کا یہ بھی عقیدہ ہے: "کہ تمام جہات سے اللہ تعالیٰ خالی ہے اور اللہ تعالیٰ کسی جہت میں نہیں ہے!!"۔

اگر لفظی طور پر دیکھا جائے (شیخ صاحب فرماتے ہیں) اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ سوال "أَيْنَ اللَّهُ ؟"؛"أین" کس لیے بیان کیا جاتا ہے؟ جگہ کے لیے نا عربی زبان میں۔ تو اس کا مطلب کیا ہے؟ کوئی جگہ تو ہے نا؛ جگہ سے پاک کہنا یہ غلط بات ہے!

اکثر لوگ سمجھتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ کسی بھی جگہ سے پاک ہے": عرش سے اوپر اگر جگہ نہ بھی سمجھیں کیونکہ جگہ وہ ہے جو مخلوق ہے، عرش سے اوپر جو ہے اگر آپ اس اعتبار سے کہتے ہیں کہ جگہ نہیں ہے تو ٹھیک ہے، لیکن "أَيْنَ اللَّهُ ؟" جہاں مخلوق ختم ہو رہی ہے یہ تو جگہ ہے نا،اب عرش سب سے بڑی مخلوق ہے اُس سے بڑی کوئی مخلوق نہیں ہے اور اس سے اوپر بھی اور کوئی مخلوق نہیں ہے (سبحان اللہ)، اور اللہ تعالیٰ عرش سے اوپر ہے۔

اور یہ بھی اچھی طرح جان لیں کہ جب ہم جگہ کی بات کرتے ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کوئی جگہ اللہ تعالیٰ کو محیط ہے (نعوذ باللہ)، جیسا کہ انسان جب مخلوق کسی جگہ پر ہوتی ہے تو جگہ اسے محیط ہوتی ہے۔

ہم زمین پر ہیں تو آسمان ہمارے اوپر ہے محیط ہے، یہ چھت ہمارے اوپر ہے؛ جب ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کوئی اور چیز اللہ تعالیٰ کے اوپر ہے، یا آسمان اللہ تعالیٰ کے اوپر ہیں یا محیط ہیں، یا اللہ تعالیٰ کو عرش کی ضرورت ہے، یا عرش نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ نیچے گر جاتا (نعوذ باللہ)؛ ہرگز نہیں!! یہ بالکل عقیدہ کسی مسلمان کا بھی نہیں ہے!!

کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز سے بڑا ہے اور جو مخلوقات کائنات سے جو اوپر ہے وہ موجود ہی نہیں ہے کیونکہ وہ مخلوق ہی نہیں ہے، جو مخلوقات ہیں وہ سب نیچے ہیں اور جہاں پر مخلوقات ختم ہو رہی ہیں یہ عرش جو ہے عرش سے اوپر صرف اللہ تعالیٰ ہے اور کچھ نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ تمام چیزوں سے اوپر ہے۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان: "أعتِقْها فإنّها مؤمنةٌ": ایک دلیل تو یہ ہے شیخ صاحب فرماتے ہیں کہ کافر کی گردن آزاد کرنا جائز ہے کفارے کے لیے؟ نہیں ہے۔ کہاں سے ملا ہمیں؟ اس حدیث سے۔

اس لیے کفارات میں شیخ صاحب فرماتے ہیں: گردن آزاد کرنی ہے تو پھر مومن ہونا چاہیے چاہیے (مرد ہو یا عورت ہو مومن ہونا چاہیے)؛ اس کی وجہ بھی ہے یعنی تعلیل بھی ہے اور عقلی دلیل بھی ہے کہ کافر کا کسی مسلمان کا غلام رہنا جو ہے وہ اس کے لیے بہتری ہے کافر کے لیے اور اسلام کے لیے بھی بہتر ہے۔

کافر کے لیے کیوں بہتری ہے؟ کہ عنقریب مسلمان ہو جائے گا کہ نہیں؟ آپ کا حسن اخلاق دیکھ کر آپ کی عبادت دیکھ کر، آپ کا تقویٰ دیکھ کر، آپ کا علم دیکھ کر آپ کا حسن کارکردگی دیکھ کر، اُس پر احسان دیکھ کر، تو ظاہر ہے انسان مائل ہو جاتا ہے کہ بھئی اس کا اپنا دین بھی دیکھتا ہے جس میں اندھیرے ہی اندھیرے ہیں: ﴿ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ﴾ (النور:40)؛ اور جب دین اسلام کو دیکھتا ہے اور اسلام کے نور کو دیکھتا ہے نورٌ علیٰ نور ہر چیز میں دیکھیں آپ، عبادت میں عقیدے میں، اور معاملات میں اخلاق میں دیکھیں آپ۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کے بہت سارے ایسے پہلو ہیں جن میں یعنی کافر دنگ رہ جاتے ہیں کہ کس طریقے سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ تعلیمات دی ہیں اور بہت ہی کم عرصے میں جو یعنی سب سے خطرناک لوگ تھے اس خطۂ عرض پر اپنے زمانے کے جو یعنی قیصر اور کسریٰ جو ہیں انسان نہیں سمجھتے تھے۔

دوسری جو جتنی تہذیبیں تھیں وہ اِن عرب کو انسان نہیں سمجھتے تھے، کہتے تھے: "یہ کیا لوگ ہیں جانوروں والی زندگی گزارتے ہیں، ایک اونٹ کے لیے پورے قبیلے تباہ ہو جاتے ہیں، اونٹوں کی ریس کر دی جس کا اونٹ ہار گیا پھر اُس نے جا کر پورے قبیلے کو قتل کر دیا! کوئی ان کی زندگی نہیں کوئی ان کی تہذیب نہیں ہے کچھ ان کے پاس نہیں ہے"؛ تو دیکھتے نہیں تھے اس طرف (سبحان اللہ)۔

اور یعنی اُس زمانے میں زمین کی سب سے خطرناک اور بدترین جگہ یہ تھی جہاں پر یہ لوگ رہتے تھے!

اور دیکھیں اللہ تعالیٰ نے خاص رحمت نازل کی ہے وحی کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور پھر دیکھیں کس طریقے سے اُس سب سے بدترین جگہ پر سے یہ نور نکلا ہے اور سب سے عظیم جگہ ہے کہ نہیں؟!

دنیا کی سب سے پاک سب سے اچھی جگہ کون سی ہے؟ مکہ ہے نا (سبحان اللہ)۔

یہی سرزمین جہاں پر تین سو ساٹھ (360) بُت تھے (کعبہ تھا اور تین سو ساٹھ بُت تھے) اور عبادت کا طریقہ آپ دیکھیں (نعوذ باللہ) کہ اگر طواف بھی کرنا ہے تو قریش کی مرضی سے ہو گا اور برہنہ بدن! کسی کو جرأت نہیں ہے کہ وہ کپڑے پہن کر طواف کرے مرد ہو یا عورت کوئی بھی ہو! قریش جس پر اپنا احسان کرنا چاہے تو کپڑا دے گی وہ کپڑا پہن لے گا وہ عزت سے طواف کرے گا ورنہ بے عزت ہو کر لوگ طواف کرتے تھے!

برہنہ بدن کیا عزت ہے مجھے بتائیں؟! اب عورت ننگے طواف کر رہی ہے!

اچھا پڑھتے کیا تھے کہتے کیا تھے؟ تالیاں، سیٹیاں! (سبحان اللہ)۔

''الجزاء من جنس العمل'': جب شرک کرنا ہے تو پھر بے عزتی بھی ہو گی، بے حرمتی بھی ہو گی، بے غیرتی بھی ہو گی، بے ایمانی بھی ہو گی، اور ساتھ ساتھ رسوائی بھی ہو گی۔ لیکن جب "نور اسلام" آیا اور فتح مکہ ہوا اور یہ تمام بُت جو ہیں یہ ریزہ ریزہ ہو گئے سب کو توڑ دیا اور پھر دیکھیں کیسی اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ہوئی ہے۔

سب سے مکرم اور شرف والا انسان کون ہوتا ہے؟ جو احرام کی حالت میں ہوتا ہے پھر طواف کر رہا ہوتا ہے۔ کتنی عبادات مل جاتی ہیں؟ (۱) "قولی" زبان عبادات میں۔ (۲) "جسم" حرکت میں، عبادت میں۔ (۳) آپ کا دل عبادت میں۔ بغیر نیت کے عبادت ہوتی ہے کوئی؟ طواف کوئی ہوتا ہے؟ کوئی عمرہ ہو سکتا ہے؟ حج ہو سکتا ہے؟

تو آپ کے جسم کے سارے اعضاء (سبحان اللہ) ایک وقت میں کام کر رہے ہوتے ہیں اور اللہ کے لیے (سبحانہ وتعالیٰ)؛ کہاں گئیں سیٹیاں اور کہاں گئیں تالیاں اور کہاں گیا شرک؟!

دیکھیں کتنی ظلمات تھیں اور کس طریقے سے اللہ تعالیٰ نے اپنا خاص کرم کیا ہے اور خاص رحمت کی ہے اپنے سید المرسلین اور رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر، اور دیکھیں کس طریقے سے کم عرصے میں وہ جو بدترین جگہ تھی سب سے عظیم جگہ بن گئی! تیئس (23) سال دیکھیں اور تیئس سال کی دعوت دیکھیں کتنی برکت ہے اس دعوت میں!

اور واللہ! جس نے بھی محنت کی ہے اور اس دعوت کا اہتمام کیا ہے اس کی زندگی میں بھی برکت ہے، اس کے قول میں اس کے فعل میں، اس کے وقت میں اس کے علم میں، اس کے عمل میں اس کے تقویٰ میں، اللہ تعالیٰ برکتیں ڈال دیتا ہے۔ اور دیکھ لیں آپ صحابہ کی زندگی دیکھ لیں؛ آپ یہ دیکھیں کہ ہم انڈیا پاکستان میں کتنا دور تھے! دیکھیں ہمارے لیے یہاں پر بیٹھ کر آپ یہ سوچیں کہ آپ نے ملائیشیا تک جانا ہے، پتہ نہیں یورپ تک، کہاں جانا ہے! مشکل سے انسان عمرے کے لیے مکہ کے لیے مدینہ کے لیے وقت نکال کر جاتا ہے، نہیں!

دیکھیں ضروریات زندگی صرف ہمیں ہے اُن کو نہیں تھی کیا؟! کیا وہ انسان نہیں تھے کیا اُن کو ضرورت نہیں تھی کھانے پینے کی؟! کیا اُن کے اہل وعیال نہیں تھے گھر نہیں تھا کاروبار نہیں تھا؟! کیا کچھ نہیں تھا اُن کے لیے؟! سب کچھ

تھا ہماری طرح انسان تھے وہ بھی زندہ تھے لیکن یہ یورپ تک امریکہ تک، ہم تک انڈیا تک سب بُت پرست تھے یہ کہاں سے آیا ہے؟! یہ نور ہمیں کہاں سے پہنچا ہے؟! اُن کے بھی یہ چوبیس گھنٹے تھے جو ہمارے چوبیس گھنٹے ہیں آپ سوچ سکتے ہیں کہ کیسے وقت نکالتے تھے؟!

اچھا زبان بھی نہیں آتی اُن کو! یہ ہندی سنسکرت کسے آتی ہے؟! ترجمہ کون کرتا ہے؟ کیسے ہوگا کہاں جائیں گے کون سمجھے گا ہماری بات، کتنی شیطان رکاوٹیں ڈالتا ہے! اللہ پر بھروسہ کر کے نکلے گھر سے جا کر پیغام پہنچا دیا اور دیکھیں آج سبحان اللہ اتنا کرم ہوا کہ جس سرزمین پر بُت پرستی ہوا کرتی تھی آج وہاں پر دیکھیں آپ ماشاءاللہ آذانیں ہیں نماز ہے، روزہ ہے زکوۃ ہے، حج ہے عمرہ ہے، توحید ہے سنت ہے، خیر ہی خیر ہے واللہ! اور جس نے جتنا حصہ اس میں ڈالا ہے آج قبر میں بھی اُس کا اُجر ملا رہا ہے کہ نہیں؟ (سبحان اللہ)۔

آج ہم نماز پڑھ رہے ہیں جس نے سب سے پہلے دعوت دی تھی نا توحید کی، سنت کی، نماز کی اُسے اُجر مل رہا ہے کہ نہیں؟ یہ کمال ہے! (سبحان اللہ)۔ تو اس لیے تھوڑا سا وقت نکالیں علم حاصل کرنے کے لیے اور چھوٹی سی بات، لازمی نہیں ہے کہ آپ جب تک پورا حافظ نہیں بن جاتے بڑے عالم نہیں بن جاتے تو آپ نے کوئی بات کرنی ہے، شیخ الاسلام بنیں گے تب جا کر بات کریں گے یا تب جا کر دعوت دیں گے، نہیں! جو آپ کو صحیح نالج (Knowledge) ہے ("صحیح" شرط یہ ہے) قرآن اور سنت کے مطابق، فہم سلف الصالح کے مطابق سلف کی فہم کے مطابق جو آپ کو تھوڑا سا علم بھی آتا ہے نا اسے شیئر کریں؛ واللہ! عوام الناس میں خیر ہے لوگ تڑپ رہے ہیں ترس رہے ہیں کہ اُن تک یہ خیر پہنچے۔

اکثر لوگوں نے پوچھیں کہ اللہ تعالیٰ کہاں ہے؟ ہر جگہ موجود ہے! کسی نے اسے بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے؟! تفصیل سے کسی نے بتایا ہے؟! اسے ضرورت ہی پیش نہیں آتی وہ بچپن سے یہ سنتا آرہا ہے ماحول اُس کو ایسا ملا ہے! تو کیا جب ہمیں اللہ تعالیٰ نے یہ علم دیا ہے اس نعمت سے نوازا ہے اس خیر سے نوازا ہے کیا ہمارے مسلمان بھائی حق نہیں رکھتے کہ اُن کو جا کر بتایا جائے سمجھایا جائے؟! تو کیسے ممکن ہوگا اگر ہم دروس اور تدریس سے اور علم سے، اور دعوت سے اور تبلیغ سے کام نہیں لیں گے؟!

دیکھیں توفیق اللہ تعالیٰ دیتا ہے میں یہ کہہ رہا ہوں کہ صحابہ کی زندگی میں برکتیں تھیں کہاں سے برکت آئی؟ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص انعام اور احسان تھا۔ کس لیے؟ کیونکہ وہ اخلاص نیت کے ساتھ گھر سے نکلے اور "علم" سب سے پہلے دیکھیں براہ راست علم حاصل کیا، جہالت کی بنیاد پر نہیں۔

کیونکہ بعض لوگ کہتے ہیں: "کہ چلیں نکلیں اللہ کے راستے میں"۔ کہاں نکلیں؟ دنیا کی سیر کرتے ہیں۔ سیر کس لیے کرتے ہیں؟ دعوت اور تبلیغ کے لیے کرتے ہیں۔ کیا پیغام دینا چاہتے ہیں؟ کیا آپ کے پاس علم ہے؟ وہاں پر جا کر سیکھیں گے۔ اچھا لوگوں کے پاس جا کر عوام الناس سے سیکھیں گے عجب بات ہے!

دیکھیں "دعوت اور تبلیغ" تبلیغ آپ کر رہے ہیں یا آپ لے رہے ہیں؟ آپ خود کرنے جا رہے ہیں نا۔ خالی ہاتھ جائیں گے تو کیا دیں گے آپ؟! معاشرہ تو پہلے ہی بے چارا بگڑا ہوا ہے آپ اس کو سدھارنے کے لیے جا رہے ہیں تو بگڑا معاشرہ آپ کو کیا دے گا مجھے بتائیں اگر آپ کے پاس علم نہیں ہے تو؟!

ایک دفعہ نماز پڑھ رہا تھا میں تو ساتھ والے سے غلطی ہوئی (غلط پڑھ رہا تھا غلطی ہوئی) میں نے تنبیہ کی، تو الحمد للہ سمجھ گیا وہ؛ پھر اُس نے کہا کہ جماعت کے ساتھ نکلیں آپ، آپ نے دعوت اور تبلیغ دینی ہے (جو اُن کو پتہ ہے)؟۔ اُن کے پاس کیا ہے دینے کے لیے؟ یہی کہ آپ نکلیں جماعت کے ساتھ، یہ دعوت اور یہ تبلیغ ہے اُن کی۔

کتنا عرصہ ہو گیا ہے آپ کو؟ مجھے پچیس سال ہو گئے ہیں (تیس، پتہ نہیں کتنے کافی عرصہ ہو گیا ہے!) لیکن آپ دیکھیں اتنے سال آپ کو ہو گئے ہیں اور آپ کی نماز پڑھنے کا یہ طریقہ ہے، آپ نے خود دیکھا ہے کہ اتنی بڑی غلطی ہو گئی ہے! یعنی جس دعوت اور تبلیغ نے آپ کی نماز کو درست نہیں کیا ہے اتنے سالوں میں کیا آپ پر حجت ہے کہ نہیں ہے؟! اس دعوت کا پھر فائدہ کیا ہے جو آپ کی صرف نماز درست نہیں کر سکی؟! (سبحان اللہ)۔

حقیقت ہے کہ نہیں اگرچہ تلخ ہے لیکن سچ ہے؟! کیونکہ وجہ کیا ہے؟ آپ کہتے ہیں کہ ہم لوگوں کے پاس دعوت لے کر جاتے ہیں لیکن اُن سے جا کر سیکھیں گے۔ ہم کیا دیں گے؟ کوئی پتہ نہیں ہے!

آپ مسجد میں آئیں ہمارے جو خطیب ہیں وہاں پر وہ بات کریں گے اور ہمارے جو اُمیر ہیں وہ بات کریں گے؛ آپ لوگوں کو وہاں پر لے جا کر اکٹھا کرتے ہیں۔ اچھا اُس اُمیر صاحب نے یا اُس خطیب نے کیا بات کرنی ہے؟ فضائل اعمال

نکالی اور پڑھنا شروع کر دیا! حدیث صحیح ہے ضعیف ہے کیا پیغام دیا جا رہا ہے، اُس کی کوئی پرواہ نہیں ہے! ایک سلیبس ہے ایک کتاب ہے ایک پیغام ہے وہ پہنچانا ہے۔

ہم کہتے ہیں: قرآن مجید سے بڑھ کر کوئی کتاب ہے؟ صحیح حدیث سے بڑھ کر کوئی کتاب ہے؟ قرآن اور سنت کو تھامیں، لیں، سمجھیں اور سمجھائیں، یہ دعوت ہے؛ اپنے آپ سے شروع کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے حساب لینا ہے قبر میں میں نے حساب دینا ہے، قیامت کے دن میں نے حساب دینا ہے؛ اگر میں اپنی نماز ہی ٹھیک نہ کر سکوں، اگر میری نماز ہی نبوی نہیں ہے سنت کے مطابق نہیں ہے تو پھر لوگوں میں کیا منہ دکھاؤں گا جا کر اُن کو بتانے کے لیے؟! اپنی اصلاح کریں اور اُس سے پہلے اپنے عقیدے کی اصلاح کریں کیونکہ کلمہ شہادت سب سے پہلا رُکن ہے اسلام کا، نماز دوسرا رُکن ہے؛ اگر میں تفصیل میں جاؤں تو پھر بہت لمبی بات ہو جائے گی! وضو کو دیکھیں آپ وضو کرتے ہوئے لوگوں کو دیکھیں کتنی غلطیاں کرتے ہیں! کتنی غلطیاں ہوتی ہیں نماز میں آپ دیکھیں!

میں یہ نہیں کہہ رہا کہ لوگوں میں آپ تفتیش کر کے دیکھو اور تاڑ میں رہو کہ کون کیا غلطی کر رہا ہے لیکن ہماری آنکھوں کے سامنے ہوتا ہے افسوس ہوتا ہے واللہ! اتنی بڑی داڑھی ہے نور ہے چہرے پر داڑھی کا، سنت کا نور چہرے پر ہے کاش دل میں اور عمل میں نظر آئے اصل بات تو یہ ہے! اسی لیے اگر اِن سے پوچھیں کہ اللہ تعالیٰ کہاں ہے؟ کہتے ہیں اللہ ہر جگہ موجود ہے! آپ کو تیس تیس سال، چالیس چالیس سال دعوت و تبلیغ میں جماعت کے ساتھ لگے ہیں آپ کو یہ نہیں پتہ ربّ کہاں ہے؟!

علامہ البانی (رحمہ اللہ) نے بڑی پیاری بات کی جب اِن لوگوں نے شور مچایا جہاد کا کہ نکلو جہاد کے لیے یہ کرو، انہوں نے فرمایا کہ یہ لوگ جو جہاد کا نعرہ لگا رہے ہیں بغیر طاقت کے بغیر شرطوں کے، بس لوگوں کو اکساتے ہیں کہ جا کر کُود پڑو، اگر اِن سے پوچھیں کہ اِن کا ربّ کہاں ہے جس کے راستے میں جہاد کر رہے ہیں کیا جواب ہو گا؟ جس کو یہ نہیں پتہ کہ اُس کا ربّ کہاں ہے یا جہل مرکب کا شکار ہے غلط جواب دیتا ہے وہ کہتا ہے ہر جگہ موجود ہے اللہ تعالیٰ اُسے کہاں کامیاب کرے گا؟!۔

دیکھیں ناجہاد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی کرتے تھے، صحابہ نے بھی کیا ہے، جہاد جو ہے وہ دین اسلام کی کوہان ہے سب سے بلند درجہ ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے لیکن آپ کو نہ تو کلمہ توحید کا صحیح معنی آتا ہے، نہ آپ کو لاإلہ إلا اللہ کا

صحیح معنی آتا ہے، نہ آپ کو یہ پتہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حقوق کیا ہیں، نہ تو آپ کو اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کا پتہ ہے، نہ تو آپ کو صحیح عبادت کا جو سنت ہے اتباع سنت ہے وہ نہیں پتہ، نماز نبوی آپ کو نہیں پتہ، آپ جہاد نبوی کیسے کریں گے؟! کیا ممکن ہے؟! تو ترتیب ہوتی ہے کہ ابتداء کہاں سے کرنی ہے۔

"**الأهم فالمهم**" کیا ہوتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام نے جب سیدنا معاذ (رضی اللہ عنہ) کو یمن کی طرف بھیجا ہے کیا سب سے پہلے دعوت دی ہے کہ جا کر سیدھا جہاد کرنا شروع کر دو؟! کیا تعلیمات دی ہیں سب سے پہلے کیا ہے؟ اللہ کی توحید ہے "إلى أنْ يُوَحِّدُوا اللهَ": جب تک کہ توحید نہ کریں پھر اگلا پیغام جا کر دینا۔

کیونکہ توحید تو اساس ہے اگر توحید نہیں پھر آپ کی نماز ہی نہیں ہے (سبحان اللہ)۔

اگر کوئی بھی شخص (کرسچن) نماز پڑھنا شروع کر دے کہتا ہے کہ مجھے اچھا لگتا ہے آپ کی نماز کا طریقہ نماز ہو گی اس کی؟ سب سے پہلے اپنے دل کو پاک تو کرو بھئی! کلمہ پڑھو زبان سے پڑھو، اقرار کرو دل سے یقین کے ساتھ، اور کلمہ توحید کی شرطیں ہیں وہ شرطیں پوری کرو؛ اس کے بغیر کیسے ممکن ہے؟! (سبحان اللہ)۔

الغرض واپس آتے ہیں: تو شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ): کہ کافر جو ہے اگر وہ غلام ہے اسے آزاد اگر آپ کرتے ہیں تو یہ کفارے میں شمار نہیں ہو گا۔

ایک تو کافر جو ہے اس کو یہ فائدہ ہو گا کہ وہ آپ کو دیکھ کر اسلام قبول کر سکتا ہے اس سے آپ کو کیا فائدہ ہو گا کہ جب کافر غلام رہتا ہے؟ کہ اگر یہ کافر واپس چلا گیا یا آزاد ہو گیا تو پھر اہل اسلام کے لیے خطرہ مزید ہو گا کہ نہیں؟ وہ تو اپنے کفر کا دفاع کرے گا نا اپنی بدعقیدگی کا دفاع کرے گا؛ تو اس اعتبار سے جو اسلام کے دشمن ہیں وہ بڑھتے جائیں گے۔

((واللہ أعلم))۔

سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ

یہ رسالہ ڈاکٹر مرتضی بن بخش (حفظہ اللہ) کے آڈیو درس (067.العقیدۃالواسطیۃ) سے لیا گیا ہے۔ سبق لسانی اور تعبیر کی غلطی کو درست کر دیا گیا ہے۔ قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اگر کوئی اور غلطی نظر آئے تو ضرور آگاہ کریں اور اس خیر کے کام میں شامل ہو جائیں۔